نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

"تیمور...!" اب کی بار انہوں نے زیادہ بلند اور زیادہ کرخت آواز سے پکارا تھا۔

"آرہا ہوں بابا جان! آرہا ہوں۔" تیمور ان کی آواز کی گونج اور لہجے کی کرختی سے ہی جان چکا تھا کہ وہ اس وقت کس قدر اشتعال میں ہیں۔ اسی لیے وہ انتہائی عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تیزی سے سیڑھیاں اترتا نیچے آگیا تھا۔

"جی بابا جان... خیریت..." وہ اپنی دھن میں کہتے ہوئے ان کی طرف بڑھا۔

"خبردار...! آگے مت بڑھنا... جہاں کھڑے ہو... وہیں کھڑے رہو۔" رضا حیدر کے لہجے میں شعلے لپک رہے تھے اور ان شعلوں کی تپش سے تیمور حیدر کے قدم وہیں ٹھہر گئے تھے۔

"لیکن بابا جان...!" تیمور نے بولنا چاہا مگر...

"کہاں ہے وہ لڑکی؟" رضا حیدر نے اس کی بات کاٹی۔

"کون لڑکی...؟" تیمور ان کا مفہوم نہیں سمجھ پایا تھا۔

"جس سے تم نے شادی کی ہے۔" رضا حیدر کے منہ سے نکلنے والے الفاظ ہنوز شعلوں کی لپک لیے ہوئے تھے اور اب مفہوم سمجھ میں آتے ہی تیمور کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔

"وہ لڑکی نہیں... میری بیوی اور آپ کی بہو ہے۔" تیمور کا لہجہ تیکھا ہو چکا تھا۔

"وہ نہ تمہاری بیوی ہے اور نہ ہی میری بہو... وہ ایک دھوکے باز لڑکی ہے۔" رضا حیدر رفتہ رفتہ اپنی اصلیت کی طرف آرہے تھے۔

۳۰

تیسویں قسط





ماورا بھی بالآخر اٹھ کر باہر آہی گئی تھی اور ان دونوں باپ' بیٹے کی آواز سن کر سیڑھیوں کی ریلنگ کے قریب رک گئی تھی۔

اس کے دونوں ہاتھ ریلنگ پہ تھے اور نظریں ان دونوں باپ' بیٹے پہ تھیں اور چند قدم کے فاصلے پر عزت اور رابعہ بیگم خاموش تماشائی بنی کھڑی تھیں۔

"بابا جان۔! وہ میری بیوی ہے۔ میری عزت ہے۔ میں اس کے بارے میں کوئی بھی غلط بات برداشت نہیں کروں گا۔"

تیمور نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔ جس کو سن کر ماورا کے دل پہ چند بوندیں سکون کی برسی تھیں کہ اور کوئی نہ سہی لیکن تیمور تو ہے نا اس کا ساتھ دینے والا۔

اس کے لیے ڈھال بننے والا۔

اس کا دفاع کرنے والا۔

اور اس کو مضبوط کرنے والا۔

اب اس کے ہوتے ہوئے اسے فکر کرنے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔

"اور میں اس کو تمہاری بیوی کے روپ میں برداشت نہیں کروں گا۔ تمہیں طلاق دینی ہوگی اس کو۔" رضا حیدر کے الفاظ ماورا مرتضیٰ اور تیمور حیدر کے قدموں تلے سے زمین کھینچ گئے تھے۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔؟" عزت ان دونوں سے بھی پہلے تڑپ اٹھی تھی۔

"تم خاموش رہو۔" انہوں نے یک دم عزت کو خونخوار نظروں سے دیکھا تھا۔

"لیکن بابا۔" عزت کو طلاق کا لفظ سن کر ہی چکر آگیا تھا۔

"میں بکواس کررہا ہوں کہ تم خاموش رہو۔" وہ سب پر غصہ کررہے تھے۔ عزت چند ثانیے کے لیے چپ ہوگئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں ماورا کو طلاق دینے کے لیے تیار ہوں۔" تیمور کے جواب پہ تو جیسے ماورا مرتضیٰ کے سر پہ چھت آن گری تھی اور عزت نے یک دم پھٹی پھٹی نظروں سے تیمور کی طرف دیکھا تھا' جبکہ رضا حیدر کے چہرے پہ ایک فخریہ سی لہر دوڑ گئی تھی۔

"شاباش۔ یہی بہتر فیصلہ ہے۔" انہوں نے داد دی۔

"لیکن میری ایک شرط ہے۔" تیمور کا اگلا جملہ ان کے چہرے کی فخریہ لہر کو وہیں کا وہیں ٹھہرا دینے کے لیے کافی تھا۔

"کیا۔؟" رضا حیدر اس وقت اس کی ہر شرط ماننے کے لیے تیار تھے۔

"آپ ماورا سے نفرت کی وجہ بتادیں۔" تیمور کا سوال ماورا کے تنے ہوئے اعصاب کو ایک دم سکون دے گیا تھا۔

اور اس کے اس سوال پر عزت کی آنکھیں بھی کھل گئی تھیں کہ واقعی سوچنے کی بات ہے بابا جان کو ماورا مرتضیٰ سے اتنی نفرت کیوں ہے۔؟ جبکہ دوسری طرف رضا حیدر اس کے اس قدر گہرے اور اہم سوال پر اندر سے سٹپٹا گئے تھے۔ لیکن بظاہر اپنے تاثرات سے ذرا بھی محسوس نہیں ہونے دیا تھا' کیونکہ اس کام میں وہ شروع سے ہی ماہر تھے۔

"بات نفرت کی نہیں۔ بات پسند اور ناپسند کی ہے۔ وہ لڑکی مجھے ناپسند ہے۔" انہوں نے بات کو بڑے طریقے

سے سنبھالا۔

"ہوں ۔۔۔" تیمور ان کی بات پہ طنزیہ مسکرایا۔

"بابا جان ناپسندیدگی اور نفرت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میں آپ کی پسند یا ناپسند نہیں پوچھ رہا۔ بلکہ آپ کی نفرت اور نفرت کی وجہ پوچھ رہا ہوں۔" تیمور اپنے سوال پہ ڈٹ چکا تھا۔

"مجھے اس سے نفرت کیوں ہوگی؟" وہ پینترا بدل گئے تھے۔

"تو پھر میں اسے طلاق کیوں دوں؟" تیمور کے لہجے میں طنز تھا۔

"کیونکہ وہ تمہارے قابل نہیں ہے۔" انہوں نے فٹ سے ایک اور جواز دیا۔

"بابا جان۔ میں ایک مرد ہوں اور مرد ایک نظر میں ہی جان لیتا ہے کہ اس کے سامنے والی عورت اس کے قابل ہے یا نہیں ۔۔۔ اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ماورا میرے قابل ہے۔" تیمور کا جواب پہلے سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔

"وہ تمہارے قابل نہیں ہے۔ وہ تمہیں دھوکا دے رہی ہے۔ اسے تم سے کوئی محبت کوئی عشق نہیں ہے۔" رضا حیدر نے مزید زہر اگلا۔

"مجھے پتا ہے۔ اسے مجھ سے کوئی عشق محبت نہیں ہے۔ یہ بات اس نے مجھے پہلے روز ہی بتا دی تھی۔" تیمور کو یاد تھا جو کچھ ماورا نے کہا تھا۔

"تو پھر ۔۔۔؟" رضا حیدر نے سوالیہ دیکھا۔

"تو پھر مجھے تو اس سے محبت ہے نا۔ مجھے تو اس سے عشق ہے۔ پہلے محبت مجھے ہوئی تھی اسے تو نہیں ۔۔۔ پرپوز میں نے کیا تھا اس نے تو نہیں ۔۔۔ اس کی طلب مجھے ہوئی تھی اسے تو نہیں۔" تیمور ہر بات سچ ہی تو کہہ رہا تھا۔

"اب تمہاری خواہش پوری ہو گئی ہو گی۔ اب اسے چھوڑ دو۔" رضا حیدر نے بیوی اور بیٹی کے سامنے بھی شرم نہیں رکھی تھی۔

"یہ محبت ہے بابا جان' ہوس نہیں۔ اس میں طلب اور بڑھتی ہے' کم نہیں ہوتی۔ آپ کو کیا پتا کہ میرے اندر اس کی محبت کتنی بڑھ چکی ہے۔"

تیمور کے الفاظ سے رضا حیدر کی رگوں میں زہر گھل رہا تھا اور ماورا کی رگوں میں تیمور حیدر کی محبت کی لہریں' لہو کے ساتھ شامل ہو چکی تھیں اور ان کا رخ دل سے جسم اور جسم سے جان تک مڑ چکا تھا۔

تیمور کو خبر ہی نہیں تھی کہ ماورا مرتضیٰ اس کی محبت کی بارش میں بھیگ رہی ہے اور پور پور ڈوبنے والی ہے بس۔

"جو بھی ہے ۔۔۔ جیسا بھی ہے ۔۔۔ لیکن وہ لڑکی مجھے گوارا نہیں ہے۔ اس گھر میں یا تو وہ رہے گی ۔۔۔ یا میں رہوں گا۔" رضا حیدر نے اب کی بار دھمکی دے ڈالی تھی اور تیمور کے ساتھ ساتھ باقی سب بھی چونک گئے تھے۔

لیکن تیمور کو کمزور نہیں پڑنا تھا۔ اسے یہ جنگ جیتنا تھی۔ ماورا کے لیے' ماورا کے حق میں۔

"تو پھر ہم چلے جاتے ہیں ۔۔۔ کیونکہ یہ گھر تو اس کا ہے۔" تیمور نے کسی اور نظریے سے کہا تھا اور رضا حیدر کسی اور نظریے سے سمجھے تھے۔

"کیا مطلب ۔۔۔؟" وہ چونک گئے تھے۔

"مطلب یہ کہ میں گھر اس کے نام لکھ چکا ہوں۔ بلکہ یہ گھر ہی نہیں اپنا سب کچھ۔ اب وہ مالک ہے سب کو رکھے یا نکال دے' مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔"

تیمور نے کھڑے کھڑے، بہت ہی سکون اور اطمینان سے رضا حیدر کے سر پہ بم پھوڑ دیا تھا۔ وہ جیسے سن ہو کے رہ گئے تھے۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"یہ... یہ کیا کہہ رہے ہو تم...؟" رضا حیدر کے الفاظ بے ربط ہو گئے تھے۔

"جو بھی کہہ رہا ہوں سچ ہی کہہ رہا ہوں۔" تیمور کے انداز میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔

اور اب کی بار ماورا کو پتا تھا کہ معاملہ بگڑنے کے قریب تر ہے' اسی لیے وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتے ہوئے تیمور کے برابر آکھڑی ہوئی تھی اور خود ہی تیمور کا ہاتھ بے حد آہستگی سے تھام لیا تھا' جس پر تیمور نے یک دم چونک کر دیکھا تھا۔

تیمور اپنے برابر کھڑی ماورا کو دیکھ کر چند ثانیے کے لیے مبہوت سا رہ گیا تھا۔ اس کے چہرے پہ محبت اور سنگت کی اوس چمک بکھری نظر آرہی تھی' لیکن رضا حیدر کا خون کھول اٹھا۔

"میں خون پی جاؤں گا اس لڑکی کا۔ اس نے یہ دولت ہتھیانے کے لیے ہی تو سارا ناٹک کیا ہے۔" رضا حیدر بری طرح غرائے تھے۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" تیمور اصل مطلب کب سمجھ پا رہا تھا بھلا۔

"اس سے پوچھو۔ اس نے تم سے شادی کیوں کی۔" رضا حیدر نے ماورا کی طرف اشارہ کیا۔

"میری محبت... میرے پرپوزل... میری ضد سے مجبور ہو کر۔" تیمور نے کہتے ہوئے بڑے مان سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبایا تھا۔

"ہونہہ! یہ غلط فہمی ہے تمہاری... تم سے شادی کرنے کے پیچھے اس کا ایک مقصد تھا۔ اس کا پلان تھا۔ اس نے تمہیں الو بنایا ہے۔ وہ کسی محبت' کسی پرپوزل اور کسی ضد سے مجبور نہیں ہوئی۔"

"یہ بات غلط ہے۔" ماورا نے پہلی بار لب کشائی کی تھی۔

"تو صحیح بات کیا ہے' وہ بتادو۔" رضا حیدر نے اسے سچ اگلنے پہ مجبور کیا تھا اور ماورا نے ذرا توقف کے لیے تیمور کی طرف دیکھا تھا۔

"سچ یہ ہے کہ میں علی مرتضیٰ کی بیٹی ہوں۔ آپ پہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنے والے علی مرتضیٰ کی بیٹی... آپ کے سب سے لاڈلے' پیارے اور چہیتے دوست کی بیٹی... اور علی مرتضیٰ کی بیوہ عافیہ مرتضیٰ کی بیٹی..."

ماورا کا ایک ایک لفظ سرد... سپاٹ اور پتھریلا محسوس ہو رہا تھا۔

تیمور نے اب کی بار چونک کر دیکھا تھا' اسے اپنے برابر کھڑی ماورا پہلے روز والی ماورا کے روپ میں نظر آئی تھی' بالکل سپاٹ...

لیکن اس کے سرد سپاٹ الفاظ نے رضا حیدر کے چہرے کی رنگت چھین لی تھی۔ وہاں ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"سچ یہ ہے کہ میں نے آپ کی طرح کچھ بھی ہتھیانے کی کوشش نہیں کی... کیونکہ یہ سب کچھ ہے ہی میرا۔ اس پہ میرا حق ہے... اور میں نے اپنا حق لینے کی کوشش کی ہے۔" وہ کچھ اور بھی بول رہی تھی' لیکن تیمور کے دماغ میں سائیں سائیں کی آوازیں آنا شروع ہو چکی تھی۔

"وہ حق جو آپ نے دھوکے سے علی مرتضیٰ کی بیوہ سے چھین لیا تھا۔ وہ حق' جو آپ نے علی مرتضیٰ کی اولاد تک پہنچنے ہی نہیں دیا۔ وہ حق جو لینے کی اب خواہش ہی نہیں رہی۔ کیونکہ اب خواہش ہے تو صرف تیمور حیدر کی قربت کی۔ اب اس کے آگے اور کچھ نہیں ہے۔"

ماورا نے تیمور کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔
لیکن یہ کیا۔۔؟ تیمور کا ہاتھ بے دم سا ہو کر اس کے ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا۔
ماورا اس کے انداز پہ یک دم چونک گئی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر تیمور کو دیکھا۔ لیکن تب تک تیمور ہاتھ چھوڑ چکا تھا۔
"تیمور۔۔!" ماورا نے اتنی شدت سے اسے پکارا یوں جیسے وہ بہت فاصلے پہ کھڑا ہو۔۔ اور تیمور کو واقعی اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اسے بس ماورا کے چند الفاظ سنائی دے رہے تھے۔
"کیونکہ یہ سب کچھ ہے ہی میرا۔ اس پہ میرا حق ہے اور میں نے اپنا حق لینے کی کوشش کی ہے۔۔ وہ حق جو آپ نے دھوکے سے علی مرتضیٰ کی بیوہ سے چھین لیا تھا۔"
اس کے یہ الفاظ تیمور حیدر کو ششدر کرنے کے لیے کافی تھے اور ایسا ہی کچھ حال عزت حیدر کا بھی تھا۔ وہ بھی ششدر سی رہ گئی تھی۔
"اگرچہ اب تم سب کچھ ہتھیا چکی ہو۔۔ لیکن میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔"
رضا حیدر، تیمور کو اس کا ہاتھ چھوڑتے دیکھ کر پھر سے بولنا شروع ہو گئے تھے۔ ان کو اندازہ ہو چکا تھا کہ لوہا گرم ہے اور ضرب بڑی کاری ثابت ہو گی۔
"میں نے کچھ بھی ہتھیانے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے تیمور حیدر کو اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش بھی نہیں کی۔ میں نے کبھی بھی اسے اپنی طرف راغب نہیں کیا۔۔ بلکہ ہمیشہ اسے اپنے آپ سے دور رہنے کو کہا۔۔ ہمیشہ اس سے دامن چھڑانے کی کوشش کی۔ کیونکہ میں اسے اور اس کی محبت کو استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی اور میں نے ایسا کیا بھی۔۔۔۔ جو کچھ بھی ہوا ہے تیمور کی مرضی سے ہوا ہے۔ اس کی پسند' اس کی خوشی سے ہوا ہے۔ تیمور بتائیں نا۔۔ آپ خاموش کیوں ہیں۔۔ میں نے آپ کو پہلے روز ہی۔۔"
"تم نے اسے پہلے روز ہی دھوکا دینا شروع کر دیا تھا۔ تم نے اسے اس طرح پھنسایا کہ اسے پتا بھی نہیں چلنے دیا۔" رضا حیدر ضرب لگانے سے باز نہیں آ رہے تھے۔
"تیمور۔۔ ایسا نہیں ہے۔۔ آپ بتاتے کیوں نہیں۔۔ چپ کیوں ہیں؟ پلیز۔۔"
ماورا نے پلٹ کر تیمور کو دوبارہ مخاطب کیا تھا' لیکن تیمور کیا بولتا' اس کے پاس تو کچھ بولنے کے لیے رہا ہی نہیں تھا۔

کیونکہ اس کا دل چند لمحوں میں ہی ویران ہو چکا تھا۔
آخر اس کی محبت کا سودا ہوا تھا۔
ماورا نے ایک ہاتھ دے اور ایک ہاتھ لے والا کام کیا تھا۔
وہ تیمور سے نفرت کرتی' یہ بھی تیمور کو منظور تھا۔ وہ تیمور سے کبھی محبت نہ کرتی۔ یہ بھی تیمور کو منظور تھا۔ وہ اس سے سب کچھ لے لیتی۔۔ یہ بھی تیمور کو منظور تھا۔ لیکن وہ دھوکا دے کر جھوٹ بول کر اپنا مقصد پورا کرتی' یہ اسے منظور نہیں تھا۔ وہ ماورا پہ سب کچھ لٹا کر بھی خوش رہتا' لیکن ماورا اس سے دل کا اور جذبات کا سودا دولت کے لیے کرتی' یہ اسے گوارا نہیں تھا۔
کبھی نہیں۔۔ ہر گز نہیں۔۔

☼ ☼ ☼

ڈرائنگ روم میں سناٹا تھا۔ مکمل سناٹا۔ موت کی سی خاموشی۔ اور اس موت کی سی خاموشی میں ماورا کی آواز خلل ڈال رہی تھی۔

تیمور ڈرائنگ روم کے صوفے پہ بیٹھا تھا اور ماورا اس کے سامنے دو زانو بیٹھی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ تیمور کے زانو پہ رکھے تھے اور تیمور کی سمت دیکھتی آنکھیں پانیوں سے لبریز ہوئی جارہی تھیں۔

وہ آنکھیں جو ہمیشہ تیکھے چتون رکھتی تھیں' وہی آنکھیں آج نمکین پانیوں میں ڈوب رہی تھیں۔

اور اسے سہارا دے کر یہاں تک لانے والا خود ذرا سے فاصلے پہ ناراض ہوا بیٹھا تھا اور ماورا اپنے انی ہٹ دھرم' ضدی اور سرکش مزاج سے ہٹ کے اپنی انا اور نسائیت کے سنگھاسن سے اتر کے اسے منانے میں مصروف تھی۔

"تیمور۔ میں نے آپ کو دھوکا نہیں دیا۔ میں نے آپ کی محبت کی قدر کی ہے۔ میں نے محبت کا جواب نفرت سے نہیں دیا۔ میں نے محبت کو محبت سمجھا ہے۔ آپ کو مجھ پہ نہیں یقین تو میری ماں سے پوچھ لیں۔ میری دل سے تصدیق کروالیں۔ وہ کہتی ہیں۔ میری آنکھوں میں۔ میرے چہرے پہ آپ صاف نظر آتے ہیں۔ دکھائی دیتے ہیں آپ۔ میں نے غصے میں اس چہرے کو نوچا بھی تھا۔ مگر آواز اندر سے آنا شروع ہوگئی۔ اور آج وہی اندر کی آواز باہر کی آواز بن رہی ہے۔ جسے آپ سن ہی نہیں رہے۔"

ماورا اس کے جھکے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے بات کررہی تھی' مگر تیمور حیدر کے پاس ایک چپ کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

"دیکھیں۔ اگر مجھے دولت کی ہی ضرورت ہوتی تو میں اس وقت آپ کو یوں نہ منا رہی ہوتی۔ کیونکہ ضرورت تو پوری ہوچکی ہے۔ اب مجھے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن۔ میں۔ میں اس دل کا کیا کروں۔ ؟جس کی ضرورت آپ ہو۔ صرف آپ۔" ماورا کے اندر محبت کی ندی امڈی تو لفظوں کو روانی کا ڈھنگ بھی آگیا تھا۔

"ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنا چاہیے۔ ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہیے۔ کیونکہ ہمیں ایک ساتھ جینا ہے۔ زندگی گزارنی ہے۔ ایک ساتھ رہنا ہے۔ محبت کا محبت سے سودا کرنا ہے۔ محبت بیچ کر محبت خریدنی ہے۔"

ماورا کا لہجہ بھیگ رہا تھا اور ہاتھ تیمور کے زانو کو چھو رہے تھے' لیکن اس کی آخری بات پہ تیمور یک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا تھا۔

"اب کوئی سودا نہیں ہوگا ماورا مرتضیٰ۔ کیونکہ اب میں بالکل خالی دامن ہوچکا ہوں' اب میں نہ خرید سکتا ہوں نہ بیچ سکتا ہوں۔ اب مجھ سا مفلس زمانے بھر میں نہیں ملے گا۔ اس لیے میری طرف سے تمہیں تمہارے بابا کا حق اور امیری مبارک۔"

تیمور کسی روبوٹ کی طرح کہہ کر آگے بڑھا' لیکن ماورا نے یک دم ہاتھ تھام لیا تھا۔

"نہیں تیمور۔ اگر آپ کا سب کچھ میرا ہے تو میرا سب کچھ بھی آپ کا ہے۔ آپ مفلس کیسے ہوسکتے ہیں؟"

ماورا اس کے سامنے راستہ روکے کھڑی تھی اور تیمور کو اس سے کوئی سروکار ہی نہیں تھا۔

"راستہ چھوڑو۔" تیمور کا لہجہ اور انداز دو ٹوک تھا۔

"آپ کے سارے راستے مجھ تک آتے ہیں۔" ماورا اسے یاد دلا رہی تھی۔

"ہمارے راستے الگ ہیں۔" تیمور کے لہجے میں ذرا بھی لچک نہیں تھی۔

"ہمارے راستے الگ ہوگئے؟" ماورا نے شکوہ بھری نظروں سے دیکھا۔

"کبھی تو ہونے ہی تھے۔" وہ بھی برجستہ جواب دے رہا تھا۔
"آپ بھی دوسروں کی باتوں میں آگئے؟" شکوہ در شکوہ تھا۔
"میں دل کی باتوں میں آنے والا انسان تھا۔" تاسف اس کے لفظ لفظ میں تھا۔
"تو اب کیا ہوا؟"
"عقل آگئی۔" تیمور کا انداز استہزائیہ سا ہو رہا تھا۔
"محبت کی راہ میں عقل نہیں آتی۔" ماورا دلیل دے رہی تھی۔
"محبت میں ٹھوکر لگے تو عقل حد سے زیادہ آتی ہے۔" وہ زہر خند ہونے لگا۔
"میں نے آپ کو کوئی ٹھوکر نہیں لگائی۔"
"مجھے پتا ہے۔ میں نے ٹھوکر خود کھائی ہے۔" اسے خود پہ تاسف تھا۔ "نہیں تیمور۔ آپ۔"
"پلیز۔ راستہ چھوڑو۔ یہ گھر تمہارا ہے۔ اس پہ حق تمہارا ہے۔ اس میں تم رہو۔ اکیلی۔ یا سب کے ساتھ۔ مجھے اس سے مطلب نہیں ہے۔ میرا اس گھر پہ اب کوئی حق اور کوئی اختیار نہیں۔ اللہ حافظ۔"
تیمور کہہ کر ایک ہاتھ سے اسے پیچھے ہٹا کر ڈرائنگ روم سے نکل گیا تھا اور ماورا پیچھے تڑپ کے رہ گئی تھی۔
"تیمور۔!" اس نے اسے چیخ کے پکارا تھا۔
مگر یہ وہ تیمور نہیں تھا جو اس کی ذرا سی آواز پر ہی پلٹ آتا۔
وہ تیمور کھو چکا تھا اور ماورا اس تیمور کو گنوا چکی تھی۔
ایک دن میں زندگی بدل کے رہ گئی تھی۔
نیت بدل گئی تھی۔ ارادے بدل گئے تھے۔ محبت نفرت میں بدل گئی تھی۔ ہر سو ویرانی تھی۔ ہر سو سناٹا تھا۔
سب کچھ پا کر بھی ہاتھ خالی تھے۔ وہ گلہ کرتی تو کس سے کرتی؟
سب اپنے ہی بوئے ہوئے بیج تھے۔
تیمور کو سزا دینے کے لیے رضا حیدر نے بھی گھر چھوڑ دیا تھا۔ وہ بیوی اور بیٹی کو لے کر وہاں سے جا چکے تھے اور ماورا مرتضیٰ ان کو روک بھی نہیں سکی تھی۔
جب تیمور حیدر خود سب کچھ چھوڑ کر جا چکا تھا تو باقی سب بھلا کیسے رک سکتے تھے؟ اتنا بڑا گھر تھا۔ اور ماورا مرتضیٰ اکیلی بیٹھی تھی۔ بالکل اکیلی۔

☼ ☼ ☼

صبح وہ گھر سے نکلا تھا۔ اور شام ڈھل چکی تھی۔

پورے دن کی دھوپ اس کے جسم میں پیوست ہوئی تھی۔ وہ ایک بڑے سے پتھر پہ بے حس و حرکت بیٹھا' سمندر کو دیکھے جارہا تھا۔

اس کے سامنے نہ جانے کتنی لہریں کنارے تک آکر دم توڑ گئی تھیں۔ بڑے جوش سے آتی تھیں اور بڑی خاموشی سے لوٹ جاتی تھیں' بالکل ایسے جیسے تیمور حیدر کی محبت۔۔۔

جسے کنارے پہ آکر بھی کچھ حاصل نہیں ہوا تھا اور وہ دم توڑ گئی تھی۔

ماہئ بے آب کی مانند۔۔۔

اور ماورا۔۔۔ اس کے لیے سمندر ہی تو تھی' جس کا دوسرا کنارہ ہی نہیں تھا۔

جس کا کوئی سرا ہی تیمور کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔

جس کو پانے کے لیے' جس کو حاصل کرنے کے لیے تیمور خود اپنی پہچان کھو بیٹھا تھا۔

اسے تو بس اتنا یاد تھا کہ پہلے رضا حیدر نے اپنی دولت بڑھانے کے لیے اسے اپنا مہرہ بنائے رکھا اور پھر اسی دولت کو پانے کے لیے ماورا مرتضیٰ نے اسے مہرہ بنالیا۔ اور وہ محبت کا اندھا۔۔۔ کسی بھی کھیل کو سمجھ ہی نہ سکا تھا۔

اور وہ دونوں اپنی اپنی چال چل گئے تھے۔

اور ان کی یہ چالیں تیمور حیدر کو توڑ کے رکھ گئی تھیں۔

وہ اندر سے مرچکا تھا۔

اور اس کو مارنے والے سب اپنے ہی تو تھے۔

اس کے منہ سے آہ نما سانس خارج ہوئی تھی' اور اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا' لیکن اتنے میں اس کا فون بج اٹھا تھا۔

تیمور کو یہ بھی خبر نہیں تھی کہ اس کا فون کہاں ہے۔۔۔ لیکن رات کے اندھیرے میں ریت پہ گرے موبائل کی لائٹس جلنے بجھنے سے اس کی نظریں موبائل اسکرین پہ جم گئی تھیں۔ جس پہ دلہن بنی ماورا مرتضیٰ کی تصویر اپنے تمام تر رنگوں اور رعنائیوں سمیت جگمگا رہی تھی۔

ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری گھنٹی بجی۔۔۔ اور پھر بجتی چلی گئی۔۔۔ تیمور دیکھتا رہا۔ سوچتا رہا۔۔۔ دیکھتا رہا۔۔۔ سوچتا رہا۔

"چلی جاؤ۔۔۔ ماورا مرتضیٰ! چلی جاؤ۔۔۔ چھوڑ دو۔۔۔ مجھے چھوڑ دو۔۔۔ تنہا چھوڑ دو۔۔۔ مرگئی ہو تم میرے لیے۔۔۔ مرگئی ہو۔۔۔"

تیمور نے چلاتے ہوئے موبائل اپنی پوری قوت سے یک دم انتہائی دور سمندر میں پھینک دیا تھا اور موبائل کی احتجاج کرتی آواز اگلے ہی پل ساکت ہوگئی تھی۔

سمندر کی لہروں کے سوا ہر طرف سناٹا چھا گیا تھا۔

"چلی جاؤ۔۔۔ چلی جاؤ۔۔۔ چلی جاؤ۔۔۔" وہ پتھر کو ٹھوکریں مارتا جیسے پاگل ہوچکا تھا۔ اس کا وجود زخمی ہوگیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ماورا اسے فون کر کر کے تھک چکی تھی۔ بے مطلب گھنٹی بجتی رہی۔

اور اب تو اس کا نمبر ہی بند جا رہا تھا۔ وہ سوچ سوچ کے پاگل ہو رہی تھی کہ اب کیا کرے؟ اور اسی سوچ کے دوران اسے ولید کا خیال آیا تھا۔

"وہ... وہ... میری بات ضرور سمجھے گا... میرا ساتھ دے گا۔" ماورا خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائی تھی اور ساتھ ہی اس کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

"زہے نصیب... آج ہمارے مقدر کیسے جاگ اٹھے...؟" ولید نے فوراً" کال ریسیو کی تھی۔

"میں تم سے ملنا چاہتی ہوں..." ماورا نے دعا سلام کیے بغیر چھوٹتے ہی اپنے مطلب کی بات کی تھی۔

"خیریت...؟" ولید اس کے لہجے کی سنجیدگی اور پریشانی بھانپ چکا تھا۔

"خیریت نہیں ہے ولید... تم جہاں بھی ہو... گھر پہنچو..."

"گھر... کون سے گھر...؟" ولید چونکا۔

"میرے اور تیمور کے گھر..." ماورا عجلت میں بول رہی تھی۔

"لیکن میرا وہاں آنا جانا تو عرصہ ہوا بند ہو چکا ہے..." ولید' تیمور کے گھر نہیں جاتا تھا۔ خاص طور پہ جب سے نکاح ہوا تھا۔

"ولید... گھر پہ کوئی بھی نہیں ہے... میں پریشان ہوں' میرا تم سے ملنا ضروری ہے۔ یہاں بہت مسئلہ ہو گیا ہے... پلیز تم ابھی پہنچو۔" ماورا جھنجلا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے... میں آرہا ہوں۔" ولید نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

اور ماورا بے چینی سے اس کا انتظار کرنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کے بارہ بجے کا وقت تھا۔

ولید' ماورا کے سامنے والے صوفے پہ گم صم اور ساکت سا بیٹھا ماورا سے سنی ہوئی داستان پہ یقین کرنے اور نہ کرنے کے بیچ ڈول رہا تھا۔

کیونکہ جو کچھ وہ بتا چکی تھی وہ قابل فراموش تو نہیں تھا۔

رضا حیدر... علی مرتضیٰ کے قاتل تھے۔ عافیہ بیگم اور ماورا مرتضیٰ کے مجرم تھے اور قاتل اور مقتول کی اولادیں محبت میں گرفتار تھیں۔

معاملہ کہاں سے شروع ہوا اور کہاں جا پہنچا تھا اور آگے کیا ہونے والا تھا' سب عقل اور سمجھ سے باہر کی باتیں تھیں۔ ولید کی پرسوچ آنکھیں ہنستا رہی تھیں۔

"بتاؤ ولید! میرا ساتھ دو گے؟ مجھے تیمور حیدر واپس چاہیے... ہر حال میں..." ماورا التجا بھی کر رہی تھی تو ایک ضد' ایک ہٹ دھرمی کے ساتھ...

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)